© rasailojaraid.com

وکالت اور اس کے احکام

ڈاکٹر محمود الحسن عارف (ایم اے پی ۔ ایچ ۔ ڈی)

عام طور پر گمان کیا جاتا ہے کہ "وکالت" کا تصور اور اس کا پیشہ دورِ جدید کی پیداوار ہے اور یہ کہ دورِ قدیم میں نہ تو اس کا کوئی تصور موجود تھا اور نہ ہی اس کا پیشہ ۔ حالانکہ مسلم تاریخ کے چودہ سو سالوں میں "وکالت" کا نہ صرف یہ کہ تصور رہا، بلکہ اس پیشہ کے متعلق تمام احکام و مسائل تفصیل و تشریح کے ساتھ موجود تھے ۔ اس لیے یہ کہنا تو درست ہو سکتا ہے کہ دورِ حاضر نے پیشہ وکالت میں بعض جدتیں اور "توسیعات" کی ہیں، مگر یہ کہنا سرے سے غلط ہے کہ اس پیشے اور اس تصور کو پہلی مرتبہ دورِ جدید نے متعارف کرایا ہے، بلکہ ہمیں تو دورِ قدیم میں اس "وکالت" کی جھلک بھی نظر آتی ہے جس کی آب و تاب نے دورِ حاضر کی کچہریوں اور عدالتوں کو خیرہ کیا ہوا ہے ۔ بہر حال وکالت اور پیشۂ وکالت کے متعلق مختلف حقائق آنکھوں کے سامنے لانا چاہتے ہیں، تاکہ اہلِ علم خود اس بات کا فیصلہ کریں، اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو خود جان سکیں ۔

۱۔ وکالت کا لغوی مفہوم

وکالت کا لفظ مادہ "وکل" (وک ل) سے مشتق ہے، جس کے معنی دوسرے شخص پر اعتماد کرنے (TO ENTRUST)، دوسرے کو معاملہ سونپ دینے (TO ASSIGN) اور بھروسہ کرنے (TO DEPEND UPON) وغیرہ کے ہیں، صاحب[1] لسان العرب

---

[1] ابن منظور الافریقی : لسان العرب ، بذیل مادہ

ایضاً الزبیدی : تاج العروس ، بذیل مادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی لغوی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وکّلَ الیہ الامرَ سلّمہٗ	"وکّلَ الیہ الامر" سے مراد اسے سونپ
ووکّلہٗ اِلیٰ رایہٖ و وکلاً	دینا اور اس کی رائے کے سپرد کر دینا ہے،
ووکولاً ترکہ، وانشد	وکلاً اور وکولاً کے معنی اس کو چھوڑ دینے
ابن بری راجزا:	اور ترک کر دینے کے ہیں ابن بری کا شعر ہے
لما رءیت اننی راعی غنم ۔	جب میں نے دیکھا کہ میں ریوڑ کا چرواہا ہوں
وانما وکل علیٰ بعض الخدم.	اور بعض اوقات بعض نوکروں پر اعتماد کرنا
عجزٌ وتغدیرٌ اذا الامر أزمٌ	عاجزی اور دھوکہ وہی ہے، جبکہ معاملہ قابلِ تنقید ہو۔

یہاں صاحبِ لسان نے جس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ معنی بھی اعتماد و بھروسہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے، اسی لیے "وکلٌ" کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو اپنے تمام معاملات دوسروں کے سپرد کر دے۔ ایک عورت کہتی ہے :

ع ولاتکونن کھلوف وکل (اور تو اپاہج اور دوسرے پر اعتماد کرنے والا نہ بن)

اسی مادہ سے لفظ وکیل ہے، جو اسمائے الٰہیہ میں سے ہے، جس کے معنی "ایسی ہستی کے ہیں جو خود قائم ہو اور بندوں کی روزی کا کفیل ہو"؛ اسی طرح لفظ وکیل "رب" (بمعنی مالک) کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے، جیسے کسی شاعر کا قول ہے :

ودا خلۃ غَورٍ وبالغورِ اخرجت	وبالماء سیقت حین حان وخولھا
ثوت فیہ حولاً مظلمًا جاریاً ھا	فسُرّت بہٖ حقًا وسُرّ وکیلھا

یعنی اونٹنی کے بچے نے اونٹنی کے رحم میں لوٹ ماری اور پھر وہ پانی کے ساتھ باہر نکلا، جب اس کے داخل ہونے کا وقت آیا۔ اس جگہ اس نے ایک پورا سال اندھیرے میں گذارا، بچہ باہر نکلنے پر ماں بھی خوش ہوئی اور اس کا رب یعنی اس کا مالک بھی مسرور ہوا[1]

---

[1] التعریفات، قاہرہ ۱۳۲۱ھ۔ ص ۱۷۵،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تو اس کا لغوی مفہوم ہے، جبکہ اس کا اصطلاحی مفہوم کسی معاملے کا کسی کو سپرد کر دینا اس کو مختار بنا دینا اور اس کو سونپ دینا ہے، یہ ایک قسم کا عقد اور معاہدہ ہے، جس کی رُو سے معاہدے کا ایک فریق (موکل RESPONSIBLE) دوسرے فریق کو اپنا وکیل یعنی مُجاز، مختار بنا دیتا ہے، تاکہ کسی معاملے میں وہ اس کی معاونت / نیابت کرے"

لفظ وکالت حرف واؤ پہ زبر اور زیر (وَکالت اور وِکالت) دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے، جس کے معنی تفویض (معاملہ سونپ دینے) اور حفظ (نگرانی وحفاظت) کے ہیں، علامہ الجرجانی اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں:

الوکیل هُوَ الذی یتصرّف لغیرہ لعجز موکلہ[1]	وکیل وہ شخص ہے، جو موکل کے عاجز ہونے کے باعث اس کی طرف سے کسی معاملے میں تصرّف کرے۔

اسی طرح علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وهی فی الشرعِ اقامۃ الشخص غیرہٗ مقام نفسہ[2]	وکالت سے مراد یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ نامزد کرنا۔

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ وکالت سے مراد "قانونی وکالت" ہی نہیں، بلکہ ہر قسم اور ہر نوع کی وکالت ہے۔

۲۔ قرآن مجید اور لفظ وکالت

قرآن مجید میں یوں تو بے شمار مقامات پر لفظ وکالت سے مشتق الفاظ وکلمات کا استعمال ہوا ہے، تاہم یہ استعمال زیادہ تر لغوی مفہوم ومعنی میں ہے، مثال کے طور پر وکیل (بمعنی کفیل، یعنی ذات باری تعالیٰ: ۲۴ مرتبہ)، وَکّلْنا (از مادہ توکیل ہم نے سونپ دیا، ایک بار)، وُکّلَ (بصیغہ ماضی مجہول: سپرد کیا گیا، ایک مرتبہ)، توکّلَ (بصیغہ ماضی از مادہ توکّل،

---

[1] التعریفات، قاہرہ ۱۳۲۱ھ ص ۱۷۵، [2] فتح الباری، ۴: ۹۷۴۔ کتاب الوکالۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی اس نے بھروسہ اور اعتماد کیا ۔ چار مرتبہ) ، تَوَکَّلُوْا (انہوں نے بھروسہ اور اعتماد کیا ۔ دو بار) ، نَتَوَکَّلُ (ہم بھروسہ کیا کرتے ہیں ۔ ایک مرتبہ) یَتَوَکَّلُ (وہ بھروسہ کرتا ہے ۔ ۱۲ مرتبہ) ، یَتَوَکَّلُوْن (وہ بھروسہ کرتے ہیں ۔ ۵ مرتبہ) ، اور مُتَوَکِّلُوْن (بھروسہ کرتے والے ۔ چار مرتبہ) وغیرہ کی صورت میں اس کا استعمال بکثرت اور بتکرار کیا گیا ہے[۱] ۔ مگر ، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ، اس سے اس کے اصطلاحی معنی و مفہوم پر کوئی روشنی نہیں پڑتی ، تاہم قرآن مجید کے دو مقامات ایسے ہیں ، جہاں ہمیں اس کے اصطلاحی مفہوم کا واضح اشارہ ملتا ہے اور وکالت کے احکام و مسائل کے استنباط کے لیے یہ دونوں مقامات بنیاد و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

تفصیل حسب ذیل ہے :

۱ ۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا	اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بن
فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ	ہے ، تو ایک منصف مرد کے خاندان میں
وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ	سے ایک منصف عورت کے خاندان میں
يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ	سے مقرر کرو ، وہ اگر صلح کرانا چاہیں گے ۔
اللّٰهُ بَيْنَهُمَا[۲]	تو خدا انکے مابین موافقت پیدا کر دے گا ۔

کہ یہاں دونوں کی جانب سے جس حَکَم کے مقرر کرنے کا ذکر آتا ہے ، اس سے مراد ، دونوں کی جانب سے ایک ایک وکیل یا مختار کا تقرر ہے ، جو دونوں کے معاملے پر غور و فکر کر کے کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے کی کوشش میں ممد و معاون ثابت ہوگا ۔

۲ ۔ سورۃ الکہف میں ارشاد خداوندی ہے :

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا	انہوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ،
لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ	تمہارا رب ہی اس کو خوب جانتا ہے ،

---

[۱] محمد فؤاد عبدالباقی : معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ، بذیل مادہ

[۲] النساء ۔ ۳۵ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا[۱]

تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دیکر شہر کو بھیجو وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کون سا ہے تو اس میں سے کھانا لے آئے اور آہستہ آہستہ آئے جائے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتلائے۔

کہ اس مقام پر بھی اصحاب کہف کی جانب سے اپنا ایک نمائندہ یا "مختار" وکیل کھانے (طعام) کی خریداری کے لیے بھیجا گیا تھا، جسے تمام لوگوں کی طرف سے، ان کی نقدی سے، کھانا خرید کر لانے کا معاملہ سونپا گیا تھا۔

مذکورہ بالا دونوں آیات "احکام وکالت" کے ضمن میں اساس کی حیثیت رکھتی ہیں، جن پر بیشمار احکام و مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔

وکالت کا تصوّر عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں

قرآن مجید میں "وکالت" کے اس اجمالی بیان کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ عہد نبوی میں "وکالت" اور وکیل کا تصوّر (CONCEPT) موجود تھا، جسے عہد صحابہ اور عہد تابعین اور تبع تابعین میں مزید وسعت عطا فرمائی گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد شباب میں بیت اللہ کی "تعمیر نو" کے وقت قریش مکہ کے مابین حجر اسود کی تنصیب میں معرکہ آرائی کی کیفیت پیدا ہوئی اور تمام قریشی رؤسا نے آپؐ کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "تصوّر وکالت" کے ذریعے ہی اس مسئلے کا حل پیش کیا، جس کی صورت یہ تھی کہ آنحضورؐ نے حجر اسود کو ایک چادر میں ڈالنے کا حکم دیا اور تمام قریشی زعماء سے فرمایا کہ وہ اسے چاروں طرف سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں، جب حجر اسود اپنے مقام تنصیب تک اوپر اٹھ گیا، تو آپؐ نے تمام قریشی سرداروں کی اجازت سے اسے اپنے دستِ مبارک سے اس کے مقام پر نصب فرما دیا۔ اہل تحقیق سے یہ بات مخفی نہیں ہے

---

[۱] سورۃ الکہف - ۱۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکّہ کی "وکالت" یعنی نیابت / نمائندگی کرتے ہوئے اس پتھر کو اس کی جگہ نصب فرمایا تھا، جس سے نہ صرف یہ کہ آنے والا خطرہ ٹل گیا تھا۔ بلکہ تمام قریشی رؤسا نے اس کی تنصیب میں، اپنے آپ کو برابر کا حصّہ دار تصوّر کیا تھا[1]

یہ واقعہ قبل از نبوت کا ہے، جبکہ عہدِ نبوت میں بھی اس کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں:

(۱) حضرت عروہ یعنی ابن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ:

"انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار دیا اور اس کے عوض۔ قربانی (کا جانور) یا بکری خریدنے کی ہدایت فرمائی؛ انہوں نے اس دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں، جن میں سے ایک بکری ایک دینار کے عوض فروخت کر دی؛ اور پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار کے ساتھ تشریف لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں، بیع میں برکت کی دعا دی۔ پھر یہ حال ہوا کہ اگر وہ مٹی کو بھی خریدتے تو وہ ان کے لیے سونا بن جاتی[2]

اسی طرح کی ایک روایت حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے۔ جس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک دینار کے عوض قربانی کا جانور خریدنے بھیجا، انہوں نے ایک دینار کے عوض ایک جانور خریدا، بعدازاں اسے دو دینار میں فروخت کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک دینار کے عوض ایک اور قربانی کا جانور خریدا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قربانی کے جانور اور ایک دینار کے ہمراہ تشریف لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دینار کو صدقہ کر دیا اور حکیم کے لیے خیر و برکت کی دعا کی[3]

(۲) امام ابوداؤد نے اسی عنوان پر ایک اور حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، جس کے راوی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص تم میں سے صاحب فرق الارز (چاول چھانٹنے والے) جیسا ہو سکتا ہو،

---

[1] تفصیلات کے لیے: ابن ہشام: السیرۃ ۱، ۲۰۴ تا ۲۰۹،

[2] ابوداؤد الجامع السنن ۳، : ۶۷۷-۶۷۸، حدیث ۳۳۸۵

[3] ایضاً، حدیث ۳۳۸۶؛ الترمذی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے ایسا ہونا چاہیے، پوچھا گیا، یا رسول اللہ یہ چاول چھانٹنے والا کون ہے؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "غار کی حدیث" کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص نے کہا کہ اپنے اپنے نیک اعمال یاد کرو! اس پر تیسرے شخص نے کہا "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ چاول چھانٹنے کے لیے ایک مزدور اجرت پہ رکھا، جب شام ہوگئی، میں نے اسے اس کی اجرت دینا چاہی، مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا، اور چلا گیا، پھر میں نے اس کے اس سرمائے کو تجارت میں لگا دیا اور منافع کے عوض اس کے لیے گائیں اور ان کے چرواہے (غلام) خرید لیے۔ پھر وہ (کافی عرصے کے بعد) مجھے ملا، اور مجھ سے کہا کہ مجھے میرا حق دو، میں نے کہا "جا یہ گائیں، اور ان کے چرواہے (غلام) لے جا" (یہ سب تیرے ہیں)، اس پر وہ انہیں لیکر چلا گیا"[1]

(۴) یہ تو تجارت کے سلسلے میں وکیل مقرر کرنے کا ذکر تھا، جبکہ نکاح کے ضمن میں بھی عہد نبوی میں اس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، چنانچہ مروی ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کے سلسلے میں جو اپنے خاوند عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں اور اپنے خاوند کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری کو پیغام نکاح دیکر دربار نجاشی میں بھیجا۔ اور انہیں اپنی جانب سے وکیل و مختار مقرر فرمایا، جبکہ اُم المومنین نے بھی حضرت خالد بن سعید بن العاص کو دربار نجاشی میں اپنا وکیل بنا کر ارسال کیا، اس طرح یہ نکاح جانبین کے مختار وکلاء کے ذریعے طے پایا، چنانچہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو بلا کر رسم نکاح انجام دی اور حاضرین کو اپنی جانب سے کھانا کھلایا[2]

۴۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

"میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں،

---

[1] ابوداؤد: کتاب البیوع ۳ : ۶۸۰، حدیث ۳۳۸۷،

[2] ابن ہشام: السیرۃ، ۲ : ۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر آپ نے فرمایا "جب تو میرے وکیل کے پاس آئے، تو اس سے پندرہ وسق کھجوریں لے لینا، اور اگر وہ تجھ سے کوئی نشانی مانگے، تو تو اپنے گلے پر ہاتھ رکھ لینا[۱]"

(۵) اسی طرح بعض روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احکام کے نفاذ کے لیے بھی بعض صحابہ کرامؓ کو اپنے اختیارات تفویض فرما دیے تھے، جن کے لیے امام بخاریؒ نے "وکالت" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُنیس اس عورت کو لے جاؤ، اگر یہ (بدکاری) کا اعتراف کرے۔ تو اس کو رجم کر دو[۲]"

الغرض "عہد نبوی" میں "وکالت" کے تصور کو واضح کرنے کے ضمن میں بہت سی روایات ملتی ہیں، جن سے نہ صرف "وکالت" کا تصور واضح ہوتا ہے، بلکہ اس کے اساسی اصول وقواعد پر بھی روشنی پڑتی ہے،

عہد صحابہ کرامؓ میں یہ "معاملہ" مزید وسعت پذیر رہا اور صحابہ کرامؓ نے اس کے مختلف پہلوؤں پر عمل کر کے آنے والے مجتہدین اور فقہاء کے لیے بڑی گنجائش پیدا کی۔

۱۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے متعلق حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں:

"حضرت علیؓ اپنے خلاف مقدمات میں خود پیش نہیں ہوتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مقدمہ ایک مصیبت ہے، جو شیطان ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بجائے آپ اپنے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب کو مقدمہ کے لیے وکیل مقرر فرما دیتے پھر جب حضرت عقیل بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو حضرت علیؓ نے مقدمات میں پیش ہونے کے لیے مجھے اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ ان کا کہنا تھا "میرے وکیل کے خلاف فیصلہ درحقیقت میرے خلاف ہوگا[۳]"

---

[۱] ابوداؤد، ۴ : ۴۸، حدیث نمبر ۳۶۳۲

[۲] البخاری، کتاب الوکالۃ حدیث نمبر ۲۳۱۵

[۳] البیہقی : السنن، کتاب الوکالۃ بالخصومۃ، ۶۰ / ۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٢۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ کا، اسی قسم کا ایک مشہور قصہ فاطمہ بنت قیس کا ہے، وہ فرماتی ہیں:

"ابو عمرو بن حفص (اس کے خاوند) نے انھیں طلاق بائن دے دی اور خود وہاں سے چلا گیا (دوسری روایت کے مطابق وہ یمن کی طرف چلا گیا)! اس کے وکیل نے ان کی طرف کچھ جو بھجوائے، مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ اس پر "وکیل" نے کہا "واللہ ہم پر تیرا کوئی حق نہیں" اس پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچیں، تو آپ نے بھی یہی فرمایا تیرا اس کے ذمہ کوئی خرچہ نہیں[1]"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس دور میں وکالت اور وکیل کے تصور میں بڑی گنجائش پیدا ہو چکی تھی اور صحابہ کرام مختلف امور اپنے وکلاء کے ذریعے انجام دیا کرتے تھے۔

بعد ازاں "عہد تابعین" اور تبع تابعین" میں "وکالت" کے مفہوم کو ائمہ مجتہدین نے اجاگر کیا اور اس کی حدودِ اربعہ اور اس کے احکام و مسائل کی تدوین فرمائی۔

ائمہ حدیث نے جب متون حدیث کو مرتب فرمایا، اس وقت عالمِ اسلام میں "وکالت" کا تصور اتنا واضح اور نمایاں ہو چکا تھا کہ قریب قریب حدیث کی ہر کتاب میں ہمیں اس سے متعلق متعدد ابواب ملتے ہیں، مثال کے طور پر امام بخاریؒ نے کتاب الوکالۃ میں حسبِ ذیل سولہ عنوانات قائم فرمائے ہیں:

١۔ باب وكالة الشريك الشريك في القسمة وغيرها۔	ایک حصہ دار کی دوسرے حصہ دار کی طرف سے تقسیم وغیرہ میں وکالت۔
٢۔ اذا وكّل المسلم حربيًا في دار الحرب او في دار الاسلام جاز۔	اگر کوئی مسلمان دار الحرب یا دار الاسلام میں کسی حربی کافر کو اپنا وکیل بنا دے۔ تو جائز ہے۔
٣۔ الوكالة في الصرف والميزان۔	معاملات صرف (سونے چاندی اور نقدی کے باہمی تبادلے) اور وزن میں وکیل بنانا۔

---

[1] مسلم: الجامع السنن، مطبوعہ بیروت ٢٠ / ۴ / ١١١۴؛ حدیث ١۴٨٠،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ - اذا ابصر الراعی او الوکیل شاۃً تموت اوشیئًا یفسد ذبحَ اواصلحَ مایخاف علیه الفساد -

اگر چرواہا یا وکیل کسی بکری کو مرتے ہوئے یا کسی شئ کو خراب ہوتے ہوئے دیکھے، تو وہ بکری کو ذبح کردے ۔ یا اس شئ کی اصلاح کردے۔

۵ - وکالة الشاهد الغائب جائزة -

حاضر اور غائب شخص کی وکالت جائز ہے -

۶ - الوکالة فی قضاء الدیون -

قرضہ جات کی وصولی میں وکالت ۔

۷ - اذا وهبَ شیئًا لوکیل او شفیعِ قومٍ جاز -

اگر کوئی شئ کسی قوم کے وکیل یا سفارش (شفیع) کو دیدی جائے، تو جائز ہے۔

۸ - اِذا وکّل رجل رجلًا ان یعطی شیئًا ولم یبیّن کم یُعطی فاعطیٰ ما یتعارفه الناس -

اگر کوئی شخص کسی کو کچھ دینے کے لیے وکیل بنائے اور یہ بیان نہ کرے کہ وہ کتنا دے، پھر وہ لوگوں کے ، بین متعارف مقدار کا دے دے ۔

۹ - وکالة الامام المرءة فی النکاح -

کسی عورت کے نکاح کے معاملے میں امام کی وکالت -

۱۰ - اذا وکّل رجلًا فترک الوکیل شیئًا فاجازه الموکل فهو جائز وان اقرضه الیٰ اجل مسمّی جاز -

اگر کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل بنائے، پھر وکیل کوئی شئ چھوڑ دے، پھر موکل اس کی اجازت دیدے ۔ تو جائز ہے اور اگر اس نے ایک وقت مقرر تک کسی کو قرضہ دیا، تو وہ بھی جائز ہے۔

۱۱ - اذا باعَ الوکیل شیئًا فاسدًا فبیعه مردود -

اگر وکیل کسی شئ کو فاسد طریقے سے فروخت کر دے تو اس کی بیع رد کر دی جاتی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲ - الوکالۃ فی الوقف ونفقتہ وان یطعم صدیقاً لہ ویاکل بالمعروف ۔
وقف اور اس کے نفقہ میں وکالت اور یہ کہ وہ اپنے دوست کو بھی کھلائے اور خود بھی "معروف" طریقے پر کھائے"

۱۳ - الوکالۃ فی الحدود ۔
حدود شرع میں وکالت ۔

۱۴ - الوکالۃ فی البُدن وتعاھدھا ۔
قربانی کے اونٹ اور اس کے معاملے میں وکالت ۔

۱۵ - اذا قال الرجُل لوکیلہ ضعہ حیث اراک اللہ قال الوکیل قد سمعتُ ما قلت ۔
جب کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے: اس کو وہاں خرچ کر، جہاں تو مناسب سمجھے اور وکیل کہے میں نے تمہاری بات سن لی۔

۱۶ - وکالۃُ الامین فی الخزانۃ ونحوھا[1]
خزانہ وغیرہ میں کسی امانت دار شخص کی وکالت ۔

اس کتاب میں امام بخاریؒ نے کل ۲۶ روایات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے چھ معلق اور بقیہ موصولہ ہیں، ان میں بارہ روایات کا ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے، ان تمام روایات کی امام مسلم نے بھی تخریج کی ہے، ماسوائے پانچ روایات کے، ۔ امام بخاری نے اس کتاب میں آثار صحابہ میں سے چھ کا ذکر فرمایا ہے[2]

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کے عہد (تیسری صدی ہجری) تک "قانون وکالت" کے بہت سے گوشے منظر عام پر آچکے تھے اور "محدثین" واضح طور پر ان کے مسائل و جزئیات کی تخریج احادیث و روایات سے کرنے لگے تھے ۔

چونکہ وکالت کا ذکر قرآن و حدیث دونوں میں موجود ہے، اسی لیے تمام اُمت کا "وکالت" کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے ۔ تو وہ نہ

---

[1] البخاری : الجامع السنن، مطبوعہ لائیڈن، بدون تاریخ ۲ : ۶۰ تا ۶۶، کتاب الوکالۃ

[2] ابن حجر العسقلانی : فتح الباری، مطبوعہ لاہور، ۴ : ۴۹۴ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف یہ کہ قرآن و سنت کی واضح نصوص کا منکر ہے، بلکہ وہ اجماعِ اُمّت کا بھی مخالف ہے۔

۴۔ وکالت بطور ذریعۂ معاش

"وکالت" معاشرے اور افراد کی بنیادی ضرورت کے علاوہ "کسب و اکل حلال" کا بھی ایک ذریعہ ہے، اسی لیے فقہاء نے جہاں اس کے قانونی جواز کا اثبات کیا ہے، وہاں اس کے ذریعے معاوضہ مشاہرہ اور انعام و اکرام کے جواز کو بھی ثابت کیا ہے، سطور بالا میں امام بخاری کی نقل کردہ احادیث اور ان کے ابواب کے ضمن میں، باب نمبر ۱۲ کے تحت امام بخاریؒ نے "وکالت" کے عوض و معاوضے کی اباحت کی جانب اشارہ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس باب کے ترجمۃ الباب میں صراحت کی ہے کہ:

"وقف کردہ مال اور کسی نفقہ میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہے اور وکیل کے لیے جائز ہے کہ وہ خود بھی اس مال سے کھائے اور اپنے دوست کو بھی کھلائے، اگر معروف طریقے سے ہو[1]"

اسی طرح علامہ ابن قدامہ صاحب المغنی نے لکھا ہے کہ:

یجوز التوکیل بجعلٍ وغیر جعلٍ فان کانت لوکالۃ بجعل استحق الوکیل الجعل بتسلیم ما وکّل فیہ الی الموکل ان کان ممّا یمکن تسلیمہ[2]

وکالت کا بامعاوضہ ہونا اور بلا معاوضہ ہونا درست ہے، اگر وکالت بامعاوضہ ہو، تو وکیل اس شئی کو، موکّل کے سپرد کر دینے اس خدمت کو انجام دینے کی صورت میں اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔

اسی لیے ہمیں تاریخِ اسلام میں ایسے متعدد افراد کا پتہ چلتا ہے جو "پیشہ ور" وکیل تھے، مثال کے طور پر علامہ الصفدی نے محمد بن احمد بن محمد المقری الوکیل (م ۵۹۱ھ / ۱۱۹۴ء) کے

---

[1] البخاری، ۲: کتاب الوکالۃ، باب ۱۲۔

[2] معجم الفقہ الحنبلی، مطبوعہ کویت، ۲: ۱۰۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق صراحت کی ہے کہ :

وکان وکیل بین یدی القضاۃ[1] وہ قاضیوں کے سامنے وکیل تھا ۔

اسی طرح انہوں نے ایک صاحب دولت وحشمت وکیل احمد بن رزق اللہ بن محمد ابو الفضائل (م ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء) کا ذکر کرتے ہوئے اس کے وکیل ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے[2]۔

علیٰ ہذا القیاس محمد بن ہبۃ اللہ بن کامل ابو الفرج ساکن بغداد (م ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء) کے بارے میں صراحت کی ہے کہ وہ بادشاہ کے وکیل تھے ، بعد ازاں انہیں اس منصب سے معزول کر دیا گیا[3]۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار ایسے لوگوں کا ذکر ملتا ہے ، جو "بطور وکیل" اسلامی معاشرے میں اپنا خصوصی تعارف رکھتے تھے اور انہیں اسی حوالے سے جانا پہچانا جاتا تھا ۔

۵ ۔ وکالت کتب فقہ کی روشنی میں

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ، وکالت کا تصور قرآن وسنہ کی واضح نصوص اجماعِ اُمّت پر مبنی ہے ؛ اسی لیے ہر دور کے مسلمانوں نے اس قانون سے استفادہ کیا ہے اور اس کے خلاف کسی نے بھی ناپسندیدگی یا کراہت کا اظہار نہیں کیا ۔ کیونکہ وکالت ایک ناگزیر ضرورت بھی ہے ۔ اس لیے کہ بعض صورتوں میں انسان اپنی جائداد کا انتظام و انصرام کرنے کے قابل نہیں ہوتا ، خاص طور پر اس وقت جب سفر پر ہو ، یا حج کے لیے روانہ ہو رہا ہو ، یا کثرت مشاغل کی بنا پر وہ اپنی جائداد یا اپنے کاروبار کی خود نگرانی نہ کر سکتا ہو ، جس کی بنا پر شریعت میں اسے اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے امور اپنے وکلاء کی معرفت انجام دے سکتا ہے ۔ اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں "وکالت" اور "وکیل" کا تصور بہت ارفع و اعلیٰ ہے ۔ اس کے احکام و مسائل کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

---

[1] الوافی ، بالوفیات ، طبع Dederung ، ۱۹۷۴ء ، ۲ : ۱۷۴ ;

[2] ایضاً ، ۶ : ۳۸۰ ، عدد ۲۸۸۲ ۔

[3] ایضاً ۴ : ۱۵۴ ، عدد ۲۱۸۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ شریعت اسلامیہ کی رُو سے "وکالت" دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین قائم ہونے والا ایک "قابل تنسیخ" عقد یعنی معاہدہ ہے، یعنی فریقین جب چاہیں، اس معاہدے کو ختم یا منسوخ کر سکتے ہیں۔ اس معاہدے کے فریق کو (الف) موکّل (Responsible) اور دوسرے کو (ب) "وکیل کہا جاتا ہے اور معاہدے کی صحت و جواز کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں "تصرّف" یعنی خرید و فروخت کی اہلیت رکھتے ہوں، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں:

۱۔ بالغ ہوں یا وکیل ہونے کی صورت میں قریب البلوغ مگر سمجھ دار بچہ ہو۔

۲۔ عاقل ہوں۔

۳۔ انہیں اپنے مال میں تصرّف کرنے سے عدالت نے روکا نہ ہو،

لہٰذا کوئی بچہ (نابالغ) یا دیوانہ یا محجور[۱] نہ تو "موکل" ہو سکتا ہے اور نہ ہی وکیل، صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

ومن شرط الوكالة ان يكون الموكّل ممن يملك التصرّف ويلزمهُ الاحكام ويشترط ان يكون الوكيل ممن يعقل العقد ويقصدهُ[۲]

اور وکالت کی شرط یہ ہے کہ موکّل کوئی ایسا شخص ہو، جو تصرّف کی اہلیت رکھتا ہو، اور احکام کا مکلّف ہو اور اسی طرح وکیل کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ وہ عقد (معاملہ) کو سمجھتا ہو اور اس کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

جبکہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فلا يصحّ التوكيل من المجنون والصبى الذى لا يعقل[۳]

لہٰذا کسی مجنون اور بے سمجھ بچے کی طرف سے کسی کو اپنا وکیل بنانا درست نہیں ہے۔

---

[۱] محجور کا لفظ "حجر" (بمعنی روکنا) سے ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اسے کسی عدالت نے اپنے مال میں تصرّفات سے روکا اور منع کر دیا ہو۔

[۲] ہدایہ، ۲: ۱۷۸، مطبوعہ دہلی۔

[۳] فتاویٰ عالمگیری، ۳: ۵۶۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم فتاویٰ عالمگیری کے مطابق "وکیل" کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ سمجھ دار ہو، اسی طرح وکیل کے لیے "آزاد" ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح یہ بھی لازمی ہے کہ وکیل کو اپنی "وکالت" (مختار ہونے) کا اور جس شئی میں اسے وکیل بنایا گیا ہو، اس کا علم ہونا ضروری ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واما العلم بالتوکیل فی الجملة فشرط بلا خلاف[1]	وکیل کو اپنے وکیل ہونے کا فی الجملہ علم ہونا بھی بلا کسی اختلاف کے شرط ہے۔

اسی لیے اگر کسی کو کسی نے اپنی طرف سے کسی معاملے میں وکیل بنا دیا ہو، مگر متعلقہ شخص کو اس کا علم نہ ہو، تو اس کے علم ہونے تک، اس کی طرف سے وکالت جائز نہ ہوگی۔

تاہم اکثر ائمہ کے نزدیک وکالت کے لیے "مسلمان" ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا، جیسا کہ امام بخاریؒ نے کتاب الوکالت کے ترجمۃ الباب میں صراحت کی ہے، ایک مسلمان کافر کی جانب سے اور کوئی کافر[2] کسی مسلمان کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ البتہ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان اور ذمّی دونوں ایک دوسرے کی جانب سے وکیل نہیں ہو سکتے۔ اس سے آگے تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک دارالحرب کا کوئی کافر دارالاسلام میں رہنے والے کسی مسلمان کی طرف سے نہ وکیل ہو سکتا ہے اور نہ ہی موکل۔ البتہ اگر کسی حربی کافر نے، دارالاسلام میں اپنے کسی معاملے مثلاً قرضہ کی وصولی وغیرہ میں کسی کافر کو اپنا وکیل بنا دیا، تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔[1]

تاہم اکثر ائمہ کے نزدیک "وکیل" کا عادل اور صالح ہونا شرط نہیں ہے، البتہ نکاح اور طلاق کے معاملے میں وکیل کا عادل ہونا ضروری ہے، عادل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کردار بے داغ اور بالکل بے عیب ہو، اسی لیے اگر کوئی عورت کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل بنا دے، جو فاسق و فاجر ہو، تو وہ نکاح درست نہ ہوگا۔[3]

---

[1] ایضاً، ص ۵۶۲

[2] البخاری،

[3] معجم الفقہ الحنبلی، ۲: ۱۰۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ بالاتفاق ارتداد سے وکیل کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ موکل کے مرتد ہو جانے کی صورت میں بعض صورتوں میں اس کا "موکل" رہنا درست نہیں رہتا[1]

اسی طرح موکل اور وکیل کے لیے مرد ہونا بھی شرط نہیں ہے، لہٰذا ایسے معاملات میں، جو عورت انجام دے سکتی ہو، عورت کا "وکیل" ہونا بھی درست ہے۔ البتہ اگر وہ معاملہ ایسا ہو، جس کی وہ اہل نہ ہو، تو وہاں اس کی "وکالت" درست نہ ہوگی[2] مثال کے طور پر وہ مجلس نکاح میں وکیل نہیں ہو سکتی۔ اگر اسے اس موقع کے لیے وکیل بنا دیا گیا، تو اس کی وکالت درست نہ ہوگی، البتہ باقی کے مسائل و معاملات میں اسے وکیل ہونے کا بدستور استحقاق ہوگا۔

۳۔ ثبوت وکالت

وکیل اور وکالت کے اثبات کے لیے ضروری ہے کہ موکل یا تو اپنے وکیل کو بذریعہ الفاظ (آمنے سامنے گفتگو) کے ذریعے اسکی اطلاع دے اور یا چٹھی وغیرہ کے ذریعے اسے مطلع کرے یا پھر اس مقصد کے لیے کسی شخص کو اطلاع کے لیے بھیجے تو اس سے وکالت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے اسے وکیل بنایا تھا، مگر مدعیٰ علیہ کو اس سے انکار ہو، تو اس صورت میں دو گواہوں کی گواہی سے اس کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے[3]

۴۔ ارکان وکالت

دیگر معاہدات اور معاملات از قسم بیع و شرا کی طرح "وکالت" کے دو ارکان یعنی موکل کی جانب سے ایجاب (میں نے تجھے وکیل بنایا) اور وکیل کی جانب سے اسکی قبولیت (میں نے قبول کیا) ہے، یہ ایجاب و قبول خواہ زبانی کلامی ہو یا تحریری، دونوں طرح شریعت اسلامیہ میں قابل قبول ہے۔ البتہ اگر یہ معاہدہ تحریری ہو۔ جیسا کہ دورِ حاضر میں اس کا تحریری ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تو یہ حکم قرآنی[4] کے عین مطابق ہے۔

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۳ : ۱۷۵

[2] معجم الفقہ الحنبلی، ۲ : ۱۰۶۵ -

[3] ایضاً، ۲ : ۱۰۶۴

[4] البقرہ، — ۲۸۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایجاب وقبول خواہ صریح الفاظ میں ہو، یا ایسے الفاظ میں۔ جو اس مفہوم پر دلالت کرتے ہوں، تاہم اس کے لیے صاف اور واضح الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس شئی میں اسے وکیل نامزد کیا گیا ہے وہ معاملہ بھی بالکل واضح اور دوٹوک ہو، لہٰذا اگر کسی نے کسی شخص کو کسی مجہول (UNKNOWN) معاملے میں وکیل بنایا اور یہ کہا۔ "میں نے تجھے کسی معاملے میں وکیل بنایا ہے" تو یہ وکالت جائز اور درست نہ ہوگی [1]

۵۔ وکالت کا حکم

وکیل مقرر ہو جانے کے بعد وکیل کے لیے موکّل کی جانب سے تفویض کردہ اختیارات کا نفاذ واجراء درست اور جائز ہوگا، مثال کے طور پر اگر کسی نے اپنے وکیل کو اپنے نکاح کا اختیار دیا ہو، تو اس کی جانب سے اس کے نکاح کا انعقاد درست ہوگا۔

۶۔ کن کن معاملات میں وکالت جائز ہے؟

وکالت کے ضمن میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ کن کن معاملات میں وکالت جائز ہے اور کن معاملات میں جائز نہیں۔

اس ضمن میں فقہاء فرماتے ہیں کہ حقوق کی دو اقسام ہیں، حقوق اللہ اور ثانیاً حقوق العباد حقوق اللہ کی پھر دو اقسام ہیں: اولاً وہ جن کے لیے دعویٰ (APPEAL) شرط ہے، مثلاً تہمت لگانے (قذف) اور چوری وغیرہ کی حد۔ ایسے معاملات میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان دعاوی کو ثابت کرنے میں "وکالت" درست ہوتی ہے۔ خواہ "موکل" خود عدالت میں حاضر ہو، یا حاضر نہ ہو۔ البتہ ان حقوق کی وصولیابی (استیفاء) میں اگر موکّل بذات خود حاضر ہو، تب تو وکالت جائز ہے، ورنہ نہیں، ۔ جبکہ دوسری قسم وہ ہے، جس میں دعویٰ (APPEAL) شرط نہیں ہے، مثلاً زنا اور شراب نوشی کی حد وغیرہ، اس نوع کے مقدمات کے نہ تو اثبات میں وکالت جائز ہے اور نہ ہی ان کی وصولیابی ہیں [2]۔ لیکن غالباً اس سے مراد "ملزم" کا اصالتاً عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ مطلقاً وکیل

---

[1] فتاویٰ عالمگیری - ۲ : ۵۶۴ -

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقرر کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود وہاں حاضر رہتے ہوئے۔ اپنی جانب سے "بحث" اور جواب دہی کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر دے، تو یہ کسی طرح بھی خلافِ اسلام نہیں ہے۔

قسم ثانی ایسے حقوق پر مشتمل ہوتی ہے، جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ان حقوق کی آگے پھر دو اقسام ہیں، قسم اوّل ایسے حقوق کی ہے، کہ جن کی فریق مخالف سے، شبہ ہونے کی صورت میں "وصولی حق" (استیفار) جائز نہیں ہے، مثلاً قصاص (جان کا بدلہ جان) تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان مقدمات کے اثبات کے لیے تو ہر صورت وکالت جائز اور روا ہے۔ لیکن اگر "وصولی حق" کی صورت ہو، تو تب "موکل" کی موجودگی میں وکالت درست اور غیر حاضری کی صورت میں درست نہیں ہے[1]۔

جبکہ قسم ثانی ایسے حقوق و دعاوی سے متعلق ہے، جن کی وصولیابی، شبہہ ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے، جیسے مثلاً قرضہ جات اور دیگر تمام مقدمات و معاملات۔ ان تمام مقدمات و معاملات میں بجز قصاص کے، وکیل مقرر کرنا جائز اور درست۔ البتہ بعض فقہاء نے اس کے لیے فریقِ مخالف کی رضامندی کی شرط رکھی ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اس طرح خرید و فروخت، حوالہ، رھن، ضمان، کفالہ، شراکت، ودلیعۃ (امانت رکھوانے)، مضاربت، مزدور کی اجرت، مساقاۃ (ایک معاملہ) اجارہ، قرض، صلح، وصیۃ، ہبہ، وقف، صدقہ، فسخ، ابرار (بری کرنے) وغیرہ میں وکالت جائز ہے۔ اسی طرح نکاح وطلاق اور غلام کی آزادی وغیرہ کے مسائل میں بھی وکالت جائز ہے[2]۔ لیکن ان مسائل میں وکیل کی حیثیت محض سفیر کی ہوتی ہے۔ صاحب ہدایہ علامہ المرغینانی نے اس ضمن میں اصولی بات لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ:

كل عقد جاز ان يعقده	ہر وہ عقد (معاملہ) جو انسان خود
الانسان بنفسه جاز ان	کر سکتا ہو، اس میں دوسرے شخص

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۳ : ۵۶۴

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یو کل بہٖ غیرہ[1] کو بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

جبکہ عبادات میں سے زکوٰۃ اور کفارات میں بالاتفاق قبضہ کرنے اور انہیں تقسیم کرنے وغیرہ میں "وکالت" درست ہے، اور حج میں بھی، اس صورت میں اس کی اجازت ہے، جب وہ بذات خود حج کرنے سے معذور ہو جائے۔ البتہ نماز ادا کرنے، روزہ رکھنے اور تلاوت وغیرہ میں وکالت جائز اور درست نہیں ہے[2]

۷۔ وکالت کا حکم

وکالت کے درست ہو جانے کے بعد "وکیل" کا اپنے موکّل کی نیابت اور وکالت کرنا اور اس کی اس معاملے میں نیابت، یا قائم مقامی کرنا درست اور جائز ہے، وکالت کے نتیجے میں دو افراد کے مابین جو معاہدہ طے پاتا ہے، دیگر معاہدات اور معاملات کی طرح دونوں فریقوں پر اس کی پابندی ضروری ہے: وکیل کا فرض ہے کہ وہ حدود وکالت میں رہتے ہوئے فرائض انجام دے اور اس معاملے کو انجام تک پہنچائے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اور موکّل کو چاہیے کہ وہ زیر توکیل معاملے میں اپنے وکیل کی ہر ممکن مدد اور معاونت کرے۔

اگر وکیل نے کسی معاملے میں دی گئی ہدایات کی پابندی نہ کی اور وکالت کی حدود سے سے تجاوز کیا تو "موکّل" اس کے معاملات اور عقود کا پابند نہ ہوگا: وہ اگر چاہے تو ان کی ذمہ داری قبول کرے اور چاہے تو ان کی ذمہ داری قبول نہ کرے، اندریں صورت وہ معاملہ خود وکیل کی اپنی جانب سے ہوگا[3] اسی طرح وکیل کو چاہیے کہ وہ زیر توکیل معاملے میں اپنے موکل کے مفاد اور اس کی بہتری کا خیال رکھے۔ اگر وکیل اس بارے میں خیانت یا بدعہدی کا مرتکب ہو، تو وہ گنہگار ہوگا اور امانت میں خیانت کرنے اور بدعہدی اور بے وفائی کرنے کے تمام قرآنی اور احادیث نبویہ میں مذکور وعیدوں کا مستحق ہوگا۔

---

[1] ہدایہ، ۲: ۱۷۶

[2] معجم الفقہ الحنبلی، ۲: ۱۰۶۴۔

[3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر موکّل کی کوئی جائداد وکیل کے قبضے برائے فروخت یا رہن وغیرہ ہو، تو وہ اس کے پاس امانت تصوّر ہوگی، لہٰذا اگر اس کے کسی عمل کے بغیر وہ شئی ضائع ہو جائے یا اسے نقصان پہنچ جائے وکیل ذمہ دار نہ ہوگا۔ تاہم اگر وہ شئی اس کی بے اعتنائی یا غفلت ولاپرواہی کے باعث تلف ہو یا نقصان کا شکار ہو جائے، تو اس میں اسے قصور وار ٹھہرایا جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جو معاملات وکلاء کی معرفت انجام دیے جاتے ہیں ان کی دو اقسام ہیں: قسم اوّل ان احکام کی ہے، جو خود وکیل کی جانب منسوب ہوتے ہیں، مثلاً بیع، اجارہ، (کرائے پر دینا) وغیرہ، تو اس کے تمام حقوق، مثلاً فروخت کردہ شئی کی سپردگی، قیمت کی وصولی، فروخت کرنے یا کرائے پر دینے کی صورت میں قیمت یا کرائے کا مطالبہ وغیرہ کا تعلق وکیل کے ساتھ ہی ہوگا، موکّل کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے حقوق کا تعلّق بدستور موکّل ہی سے رہے گا۔ جبکہ دوسری قسم ان معاملات کی ہے، جن کی نسبت خود موکل کی طرف ہوتی ہے، مثلاً نکاح، خلع، قتل عمد کی صورت میں صلح وغیرہ، ان تمام معاملات کے حقوق کا بدستور موکّل ہی کے ساتھ تعلّق رہے گا۔ لہٰذا خاوند کا وکیل مہر ادا کرنے اور اس کا مطالبہ کیے جانے کا پابند نہ ہوگا، اسی طرح عورت کے وکیل پر، عورت کی سپرداری لازم نہ ہوگی[۱] جس سے ثابت ہوا کہ باب النکاح میں وکیل کی حیثیت محض ایک "سفیر" کی ہوتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

۸۔ خرید و فروخت میں وکالت

اگر کوئی شخص کسی کو خرید و فروخت کے معاملے میں اپنا وکیل بنائے، تو اس کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ وہ اس شئی کی نوع اور اس کی صفت یا اس کی نوع اور اسکی قیمت اپنے وکیل کے سامنے بیان کر دے، تاکہ وکیل اپنے موکّل کی ہدایات کی پابندی کر سکے، الّا یہ کہ وہ، اپنی جانب سے اسے "مختار عام" مقرر کر دے، تو اس صورت میں مذکورہ بالا تصریحات کی ضرورت نہ ہوگی[۲]

---

[۱] ہدایہ، ۲: ۱۷۸ - ۱۷۹

[۲] ایضاً، ۲: ۱۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر تو "وکالت" کے ضمن میں اس قسم کی "جہالت" (IGNORANCE) ہو، جس کی بنا پر پابندی حکم بھی ممکن نہ ہو اور اس کا تدارک بھی نہ کیا جا سکتا ہو، تو اس صورت میں وکالت درست اور جائز نہ ہوگی، ورنہ جائز ہوگی، یہ جہالت تین قسم کی ہوتی ہے: جہالتِ فاحشہ (بہت ہی نا واقفیت)، مثلاً کسی کو کپڑا، جانور یا غلام خریدنے کا مختار بنایا جائے اور اس کی قسم یا تفصیل نہ بتائی جائے، تو اس صورت میں وکالت (مختار نامہ) سرے سے ہی درست نہ ہوگا، دوسری صورت وُہ ہے، جب وہ اس کی جنس تو بتا دے۔ مگر اسکی نوع نہ بتائے مثال کے طور پر وہ اسے کہے کہ اس کے لیے گدھا، خچر، گھوڑا وغیرہ خریدنا ہے، تو اس سے وکالت متاثر نہیں ہوگی۔ اسے "جہالت یسیرہ" (تھوڑی جہالت) کہا جاتا ہے؛ تیسری صورت یہ ہے کہ "جہالت متوسطہ" ہو، یعنی "موکل"، وکیل کے سامنے اس کی جنس اور نوع بیان کر دے، اور دیگر تفصیلات بیان نہ کرے، مثلاً اسے کہے کہ اس کے لیے مکان، یا زمین خریدنا ہے باقی تفصیل نہ بتائے، تو اس صورت میں وکالت موقوف ہوگی، اگر تو اس نے دوسری تفصیلات بیان کر دیں، تو فبہا ورنہ اس کی وکالت جائز نہ ہوگی[1]

فقہا اس بات کی بھی صراحت فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی شئ کی خریداری کے لیے وکیل (مختار) بنایا گیا ہو، وہ اس شئ کو عام قیمت پر یا اتنی گراں قیمت پر، کہ جس پر عام طور پر لوگ وہی شئ خریدتے ہوں، خریدنے کا مجاز ہے لیکن اگر اس نے اسے اتنی گراں قیمت پر خرید کی کہ جتنی قیمت پر لوگ عام طور پر نہ خریدتے ہوں، تو یہ خریداری جائز نہ ہوگی[2] مشہور فقیہ امام خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شئ کے متعلق ہے، جس کی اس شہر میں کوئی قیمت مقرر ہو، لیکن اگر اس کی کوئی قیمت مقرر نہ ہو، تو اس صورت میں بہر حال اس کی "قیمت" قابل قبول ہوگی[3]

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایسی "گراں قیمت" جس پر خریدنے سے وکالت باطل ہو جاتی

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۳ : ۵۶۳

[2] ہدایہ، ۲ : ۱۸۸

[3] الجوہرۃ النیرہ۔ کتاب الوکالۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی قیمت ہو، جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ آتی ہو بجیسے سامان میں دس درہم، جانوروں میں دس۔ گیارہ اور اراضی میں دس سے بارہ۔ تو گویا اس حد تک اگر اس شئ کو گراں خرید لیا ہو۔ تو اس کی خریداری باطل ہوگی[1]

اسی طرح اگر اسے کسی شئ کو فروخت کرنے کا حق دیا گیا ہو اور وہ اسے اگر مروجہ قیمت پر بیچدے یا اتنی قیمت پر۔ جو وہاں کسی نہ کسی درجے میں مقبول اور معتبر ہو، لیکن اگر اس نے اس سے کم قیمت پر بیچدیا، جس قیمت پر عام طور پر لوگ اس شئ کو فروخت نہ کرتے ہوں، تو وکیل کا یہ تصرّف جائز نہ ہوگا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مذکورہ تصرّف بھی جائز ہوگا۔

کسی شئ کی خریداری کے لیے اگر موکّل کی طرف سے کوئی "قید" لگائی گئی ہو، تو فقہاء فرماتے ہیں کہ بالاجماع اس کو اس قید کی رعایت رکھنا لازمی ہے خواہ وہ "قید" خریدار کے متعلق ہو، یا قیمت سے متعلق، لہٰذا اگر اس نے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی، تو اس کی خریداری کی ذمہ داری خود وکیل پر عاید ہو جائے گی اور موکّل بریٔ الذمہ ہوگا، الّا یہ کہ وکیل نے کسی اچھائی کی، خاطر ایسا کیا ہو۔ تاہم اگر وکیل نے موکّل کی ہدایات کی "جنس" (CLASS) میں خلاف ورزی کی، تو خواہ اس کی خریدی ہوئی شئ موکّل کے لیے زیادہ فائدہ مند اور سودمند ہی کیوں نہ ہو، وکیل کے لیے اس کی خریداری درست نہ ہوگی۔ مثلاً اس نے وکیل کو اپنا مکان ایک ہزار درہم (چاندی کے سکے) کے عوض فروخت کرنے کا حکم دیا اور اس نے اسے ایک ہزار دینار (سونے کے سکے) کے عوض فروخت کر دیا۔ تو اس کی یہ بیع قابلِ قبول نہ ہوگی، تاہم اگر جنس وہی ہو، البتہ اس کی وصف یا مقدار میں تبدیلی کر دے، تو اس صورت میں فائدہ اور نفع ہونے کی صورت میں یہ بیع نافذ ہو جائے گی[2]

احادیث نبویہ میں بھی اس کی عملی مثال ملتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حکیم بن حزام رض کو ایک دینار دیا اور اس کے عوض ایک بکری خریدنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت حکیم نے اس دینار

---

[1] ہدایہ، ۲: ۱۸۹

[2] فتاویٰ عالمگیری، ۳: ۵۸۸

[3] ایضاً ص ۵۷۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دو بکریاں خریدلیں جن میں سے ایک بکری انہوں نے ایک دینار کے عوض فروخت کر دی اور پھر ایک بکری اور ایک دینار کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا مانگی[۱] اسی طرح کا ایک قصہ ایک اور صحابی حضرت عروہ بن ابی الجعد سے بھی مروی ہے[۲]

ان دونوں روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الخطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں:

اس حدیث (اور اس کے بعد کی حدیث) سے اہل الرائی (احناف) اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ زید کا مال عمرو کو اس کی طرف سے اجازت اور وکالت کے بغیر بھی فروخت کیا جا سکتا ہے اور اس قسم کی بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر وہ اجازت دے دے تو درست ہو جائے گی (ورنہ نہیں)۔ الّا یہ کہ انہوں نے اس کے لیے اس کی اجازت کے بغیر خریداری اشیاء کو جائز نہیں سمجھا۔ مگر امام مالک بن انس کے نزدیک خرید و فروخت دونوں کی اجازت ہے۔ مگر امام شافعیؒ ان دونوں کو جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ دھوکہ ہے اور پتہ نہیں کہ آیا وہ اس کی اجازت دے گا، یا نہیں، اسی طرح ان کے نزدیک ایسا نکاح بھی جائز نہیں، جو ولی (سرپرست) یا منکوحہ کی اجازت پر موقوف ہو، اسلیئے کہ یہ دونوں حدیثیں غیر متصل ہیں، کیونکہ ان میں سے ایک۔ یعنی حدیث حکیم بن حزام میں۔ میں ایک مجہول شخص ہے، اس کا علم نہیں کہ وہ کون تھا[۳]

بہر حال خرید و فروخت کے ضمن میں قائم وکالت کی صورت میں وکیل کو حتی الوسع موکل کے احکام و ہدایات کی پابندی کرنی چاہیے، اسکی دیگر تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۹۔ خصومت (عدالتی چارہ جوئی) میں وکالت — دورِ جدید کے حوالے سے

خصومت (عدالتی چارہ جوئی) میں وکالت کی نوع سب سے زیادہ اہم اور کثیر الوقوع ہے۔

---

[۱] ابوداؤد، کتاب البیوع، ۳: ۶۷۹

[۲] ایضاً، ص ۶۷۷، حدیث ۳۳۸۴۔

[۳] معالم السنن، علی هامش سنن ابی داؤد، ۳: ۶۷۷۔ ۶۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ضمن میں فقہاء کے مابین قدرے اختلاف ہے کہ آیا کسی مقدمہ میں وکیل بنانے کے لیے فریق مخالف کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فریق مخالف کی رضامندی لازمی ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک لازمی نہیں۔[1]

پھر فقہاء نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر صراحت کی ہے کہ ان کا اختلاف صحت (درستگی) میں نہیں، البتہ اس کے لزوم یعنی ضروری ہونے میں ہے اور یہی مسلک زیادہ صحیح ہے[2]، اسی لیے اس کے موکل پر حاضری اور جواب دہی لازم نہ ہوگی۔

پھر اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر "موکل" عدالت سے اتنے فاصلے پر ہو، جو سفر کی ادنیٰ مدت کہلاتی ہے، یا وہ شہر میں ہو، مگر بیمار ہو اور اپنے قدموں پر چل کر نہ کر سکتا ہو تو خواہ وہ مدعی ہو، یا مدعیٰ علیہ اس کو اپنا وکیل بنانے کی اجازت ہے، اسی طرح اگر وہ آسکتا ہو، مگر اس سے اس کا مرض بڑھ سکتا ہو، تو اس صورت میں بھی اسے وکیل مقرر کرنے کی اجازت ہے، البتہ اگر اس کے مرض میں اضافہ کا اندیشہ نہ ہو، تو اس صورت میں اس کا حکم مختلف فیہ ہے۔[3]

اسی طرح اگر اس کا کہیں جانے کا ارادہ ہو، تو تب بھی اس کو وکیل مقرر کرنے کی اجازت ہے، علیٰ ہذا القیاس پردہ دار عورت بھی عدالت میں اپنا وکیل نامزد کر کے ارسال کر سکتی ہے، تاہم اگر وہ پردہ دار نہ ہو، اور گھر سے باہر کام کاج کے لیے آتی جاتی ہو۔ تو اس کے لیے وکیل کا نامزد کرنا بعض حالات میں جائز اور بعض میں جائز نہیں ہے۔ گونگا شخص یا ایسا شخص جو اپنا مدعا بیان نہ کر سکتا ہو۔ اس کو بھی وکیل مقرر کرنے کی اجازت ہے[4]۔ فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

"اگر قاضی کو یہ علم ہو جائے کہ موکل بذات خود مقدمہ کا جواب نہیں دے سکتا

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۳ : ۶۱۵

[2] خزانۃ المفتین

[3] فتاویٰ عالمگیریہ، ۳ : ۶۱۵۔

[4] ایضاً، ص ۶۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ اس کی جانب سے وکالت قبول کرے[1]،

تاہم یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ کتب فقہ میں جو وکیل بنانے کی اجازت اور عدم اجازت کا ذکر کیا جاتا ہے، اس سے درحقیقت موکل کا اصالتاً حاضر نہ ہونا ہے اور اگر موکل بذاتِ خود حاضر ہو اور اپنی طرف سے دعویٰ یا جواب دعویٰ دائر کرنے کے لیے کسی قانون کے ماہر شخص کی خدمات حاصل کرے، تو اس کے جائز اور مباح ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

۱۰۔ وکیل برائے خصومة کی نامزدگی

عدالتی چارہ جوئی کے لیے وکیل مقرر اور نامزد کرتے ہوئے تفصیل بیان کرنا ضروری ہے، مثال کے طور پر اگر اس نے فقط اتنا کہا "میں نے تجھے عدالتی چارہ جوئی کے لیے وکیل بنایا" تو یہ وکالت " درست نہ ہوگی، اور اگر اس نے کہا" میں نے تجھے اس مقدمہ میں وکیل کیا، جو ہمارے مابین ہے" یا کہا" میں نے تجھے ہمارے درمیان زیر تصفیہ مقدمہ میں وکیل کیا" تو وکالت درست ہوگی۔ اس کی آگے پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ وہ اس کو عدالتی چارہ جوئی کے لیے وکیل بنائے اور اس کے علاوہ کسی اور شئی سے تعرّض نہ کرے، تو اس صورت میں اگر وہ انکاری ہو تو بالاجماع وکیل کی نامزدگی ہوجاتی ہے اور اگر وہ اقراری ہو، تو تب بھی تین ائمہ کے نزدیک اس کی تقرری جائز ہوگی۔ تاہم اگر مقدمہ حدّ قذف (جھوٹی تہمت) کا ہو اور قصاص کا ہو اور وکیل مقدمہ اس کا اقرار کرے، تو اس کی جانب سے اقرار درست نہ ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے وہ وکیل بنائے مگر اسے "اقرار" کرنے کی اجازت نہ دے، تو اس صورت میں وہ " انکار دعویٰ "، کی صورت میں ہی وکیل رہے گا۔

۳۔ اسے وکیل بنائے مگر اسے انکار کرنے کی اجازت نہ دے، تو اس صورت میں فقط اقرار ہی کی صورت میں وہ وکیل ہوگا۔

۴۔ وہ اسے اقرار کے لیے وکیل بنائے، تو اس صورت میں وہ عدالتی چارہ جوئی اور اقرار

---

[1] فتاویٰ قاضی خان کتاب الوکالت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں کے لیے اس کا وکیل تصوّر ہوگا اور اگر وہ اقرار کرے، تو اس کا اقرار موکل کی طرف سے سمجھا جائے گا،

۵ ۔ اس نے اسے وکیل بنایا، مگر اسے نہ اقرار کی اجازت دی اور نہ ہی انکار کرنے کی، اس نے اسے "سکوت" کے لیے وکیل بنایا تھا، تو اس کے متعلق فقہاے متأخرین کے مابین اختلاف ہے[1]

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ وکالت کے معاہدے میں بھی صراحت ہونی چاہیے کہ موکل کس پہلو سے متعلقہ فرد کو اپنا وکیل مقرر کر رہا ہے اور وکیل کو اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی ۔

۱۱ ۔ کیا وکیل خصومت قبضہ کر سکتا ہے؟

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں، کہ: ہمارے نزدیک عدالتی چارہ جوئی کا وکیل (فیصلہ حق میں ہونے کی صورت میں) متعلقہ شئ پر قبضہ کر سکتا ہے، مگر امام زفرؒ (بن الہذیل، م ۱۵۸ھ) کو اس سے اختلاف ہے، انکا خیال ہے کہ موکل نے اسے فقط پیروی مقدمہ کی اجازت دی اور رضامندی ظاہر کی ہے، جبکہ قبضہ خصومت (پیروی مقدمہ) سے باہر کی شئ ہے ۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ جو شخص کسی شئ کا مالک ہو، وہ اس کا مکمل طور پر مالک ہو جاتا ہے اور پیروی مقدمہ کی تکمیل قبضہ سے ہی ہوتی ہے ۔ لیکن ہمارے آج کے زمانے میں امام زفرؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے، کیونکہ وکلاء میں خیانت ظاہر ہو چکی ہے اور بعض اوقات کسی شخص کو پیروی مقدمہ میں تو امانت دار سمجھا جاتا ہے، مگر مال پر نہیں سمجھا جاتا ۔ اس کی مثال وکیل برائے تقاضائے دین (قرضہ) ہے، جسے قرضہ کی وصولی اور اس پر قبضہ کرنے کا بھی حق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہاں قرضہ کی وصولی درحقیقت اس کے تقاضا کرنے ہی کے مفہوم میں ہے، الا یہ کہ عرف اس کے خلاف ہی ہے، لہٰذا فتویٰ اس پر ہے کہ قرضہ کی وصولی کا تقاضا کرنے والا وکیل بھی "قرضہ" پر قبضہ نہیں کر سکتا[2]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۳ : ۶۱۷

[2] ہدایہ، ۲ : ۱۹۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم اگر موکّل نے کسی شخص کو برائے وصولی (قبضہ) وکیل بنایا ہو، تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مقدمہ کی پیروی کا بھی وکیل ہوگا، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایسا جائز نہیں۔

صاحب ہدایہ کی مندرجہ بالا "تصریحات" ہمارے اس دور کے عین مطابق ہیں، اس لیے کہ ہمارا یہ دور تو المرغینانی "صاحب ہدایہ" کے زمانے کی نسبت بھی زیادہ مختل اور خراب ہے، اس لیے صاحب ہدایہ کے فتویٰ کی روشنی میں "پیروی مقدمہ" کے کسی وکیل کو متعلقہ شئ پر قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں، اس کے بجائے یہ حق "موکّل" کا ہے۔ وہ اگر چاہے۔ تو خاص اس مقصد کے لیے کوئی اور وکیل نامزد کر سکتا ہے اور یا پھر اسی وکیل کو یہ اجازت اور اختیار سونپ سکتا ہے۔ بہر صورت اسی کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا۔

۱۲۔ وکیل کی معزولی

اگر موکّل چاہے، تو وکیل کو اپنی وکالت سے معزول بھی کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وکیل کو زبانی، یا تحریری یا بذریعۂ قاصد اطلاع دی جائے اور جب تک وکیل کو تحریری یا زبانی طور پر اطلاع نہ ملے، اس وقت تک وہ بدستور وکالت یا مختاری کے منصب پر فائز رہے گا۔ پھر جس طرح موکّل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے، تو اپنے وکیل کو وکالت سے ہٹا دے، تو اسی طرح وکیل کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر اس کی مرضی ہو، تو وہ وکالت سے مستعفی یا دستکش ہو جائے۔ تاہم اس صورت میں بھی موکّل کو اطلاع دینا ضروری ہوگا۔

تاہم احناف کے نزدیک تین مواقع ایسے ہیں، جہاں نہ تو موکل وکیل کو معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی وکیل وکالت سے مستعفی ہو سکتا ہے تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف)۔ شئ مرھونہ کی فروخت:

اگر کسی شخص نے قرض کے بدلے میں کوئی شئ رہن رکھوائی، پھر کسی شخص کو، اسی مرہونہ شئ کو فروخت کرنے کے لیے وکیل مقرر کر دیا، تاکہ وہ اس شئ کو فروخت کر دے اور اس سے حاصل شدہ رقم کے ساتھ، قرض کی ادائیگی ہو جائے۔ تو اس صورت میں وکالت اختیاری نہیں رہ جاتی، بلکہ لازمی ہو جاتی ہے اور وکیل وکالت (مختار نامہ) سے دستکش نہیں ہو سکتا اور نہ ہی موکّل اسے اس منصب سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی وکالت کے ساتھ "قرض خواہ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حق بھی وابستہ ہو جاتا ہے، جس کی رعایت رکھنا ضروری ہے ۔

(ب) وکالت خصومت (امور نزاعی کی وکالت):

بشرطیکہ مدعیٰ علیہ (مطلوب) موجود نہ ہو اور مدعی ( ) چاہتا ہو اگر "مدعیٰ علیہ" نہیں ملتا، تو مدعیٰ علیہ کے وکیل کو ہی عدالت میں طلب کر کے اس سے جواب مانگا جائے ۔

مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے کسی شخص کا قرض دینا ہو اور مقروض کسی ۲۴ گھنٹے (یا اس سے زیادہ) کے سفر پر شہر سے باہر جا رہا ہو اور قرضخواہ اس سے مطالبہ کرے کہ وہ سفر پر روانگی سے قبل کوئی اپنا وکیل / نمائندہ مقرر کر جائے، جو اس کی طرف سے اس کے دعویٰ کا جواب دے ۔

اس صورت میں اگر مقروض نے کوئی وکیل مقرر کر دیا ہو، تو یہ وکیل "موکل" کی غیر موجودگی میں جواب دینے اور مقدمہ کا سامنا کرنے کا پابند ہوگا اب یہ وکیل اس عرصہ میں نہ تو خود مستعفی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا موکل اسے اس خاص عرصے میں برطرف کر سکتا ہے ۔ کیونکہ یہاں بھی اس کی وکالت کے ساتھ دوسروں کا حق وابستہ ہے ۔

(ج) موکل کی عدم موجودگی میں کسی شئ کو کسی شخص تک پہنچانے کی وکالت:

وکیل پر لازم ہوگا کہ وہ متعلقہ شئ کو مذکورہ شخص کے پاس پہنچا دے اور اس صورت میں بھی وکیل کو کام مکمل کرنے سے قبل مستعفی ہونے کی اجازت نہ ہوگی ۔

ان امور کے علاوہ باقی تمام معاملات میں وکیل اور موکل دونوں ہی یکطرفہ طور پر وکالت کو ختم کرنے کا فیصلہ کرنے میں حق بجانب سمجھے جاتے ہیں ۔ البتہ حسب بالا دونوں کو یہ لازم ہوگا کہ وہ دوسرے فریق کو اس کی کسی نہ کسی طرح اطلاع پہنچا دیں لیے

۱۳ - دورِ جدید اور وکالت

دورِ جدید میں "وکالت" کا مروجہ "پیشہ" شرعی وکالت کا محض ایک شعبہ یا ایک حصہ ہے ۔ دورِ جدید نے قدیم زمانے کی وکالت کو کئی شعبوں میں مختلف ناموں کے ساتھ بانٹ دیا ہے، اسی بنا پر لوگ انھیں ان کے جدید ناموں سے یاد کرتے ہیں اور قدیم نام فراموش کر چکے ہیں، تاہم اسلامی فقہ میں آج بھی ان کے احکام اسی عنوان کے تحت تلاش کیے جا سکتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدیم وکالت کے گمشدہ حصّوں کو مختلف افراد یا کمپنیوں کے مینجر، ایجنٹ، دلال، ڈائریکٹر، وغیرہ کے نام کے تحت تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ایسی قانونی وکالت، جس کے قبول عام میں عام لوگوں کی قانون (LAW) سے کم واقفیت کو بڑا دخل ہے، اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض علمائے کرام نے جو اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا، تو اس کی وجوہ کچھ اور ہیں۔

بہرحال قانون کے ماہر وکلاء کا یہ فرض ہے کہ وہ غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قطعی طور پر کوشش نہ کریں۔ بشرطیکہ وہ واقعی غلط ہو۔ اگر کوئی وکیل کسی بے گناہ کو سزا دلانے اور مجرم کو مجرم سمجھتے ہوئے رہائی دلانے کی کوشش کرے، تو اس صورت میں نہ صرف اس وکالت کا عوضانہ جائز نہ ہوگا، بلکہ ایسا وکیل عنداللہ ماخوذ اور عقوبت کا مستحق ہوگا۔

اس لیے وکیل کو چاہیے کہ وہ ایسا مشورہ دے جو ملک و ملت کے مفادات سے متصادم نہ ہو اور کسی بے گناہ کی حق تلفی پر بھی مبنی نہ ہو۔

یاد رہے کہ وکیل کی ایک غلطی سے بے گناہ پھانسی پر لگ سکتا ہے اور گنہگار معصوم ثابت ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com